لمبی ہاں ــــــ جو ہر شخص کی تسلی کر دیتی تھی اور معاملات کی الجھنیں اپنی جگہ قائم رہتی تھیں۔

مفتی صاحب کی یہ فطری صفت ہی تھی جس کی وجہ سے مرحوم مختلف مزاج رکھنے والے کارکنوں سے کام لے لیا کرتے تھے۔

مفتی صاحبؒ نے مجلس مشاورت کو جس کمال حسن تدبر کے ساتھ چلایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ مسلم لیگی، کانگریسی، جماعت اسلامی اور اربابِ مدارس قدیم علماء سب ہی ایک جگہ جمع ہو کر ملت کے مسائل پر آنسو بہاتے تھے۔ اب مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی قدر ہو رہی ہے۔

مرحوم نے کبھی مشاورت کے پلیٹ فارم پر جذباتی فیصلے نہیں ہونے دیے اور اب وقتی اور جذباتی واہ واہ کرانے والے فیصلوں نے مشاورت کے وقار کو سخت صدمہ پہنچا رکھا ہے۔

مفتی صاحب کی طویل علالت ہی میں مولانا محمد مسلم صاحب کہا کرتے تھے کہ اب مجلس مشاورت کو ختم کر دینا چاہیے۔

جمعیۃ علماء ہند کا دفتر ایک پرانی گلی (دست گھرے) میں واقع تھا اور یہ تین بزرگ اس پرانے دفتر کی رونق تھے۔ اور اس دفتر میں فقیری کے اندر شاہی کا سماں نظر آتا تھا۔

مجاہد ملت کے بعد ایک خیر مقدمی تقریب میں مفتی صاحبؒ نے اس گلشن کے اجڑنے پر اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ایک شعر پڑھ کر کیا ؎

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
جی میں آتا ہے لگا دوں آگ مے خانہ کو بھی

کسے خبر تھی کہ مفتی صاحب کے بعد ان کے لگاتے ہوئے گلشن پر

بھی کھڑے ہوکر ان کے عاشق انہی الفاظ میں اظہار غم کیا کریں گے اور میاں عمید الرحمٰن عثمانی انھیں اپنے محبت بھرے الفاظ سے تسلی دینے کی کوشش کریں گے لیکن ہر غم گسار یہ پڑھتا ہوا چلا جائے گا ؎

شیشہ بھی ہے، ساقی بھی ہے، ہے شمع بھی، پر بن تیرے
وہ خوبی مجلس کہاں ، وہ رونقِ محفل کہاں

مفتی صاحب ماضی کی عظیم علمی اور قومی روایات کے امین تھے، اس لیے ندوۃ المصنفین کا دفتر بڑی سے بڑی سیاسی اور مذہبی شخصیت کا مرجع تھا اور جمعیۃ بلڈنگ گلی قاسم جان کے اجڑنے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب ان روایات، وضع داری اور خود داری پر مکمل ماتم کے سوا کچھ نہیں۔

مفتی صاحب میں بڑا پن تھا۔ صرف مرحوم بڑے ہی نہیں تھے، بہت سے لوگ بڑے ہوتے ہیں مگر ان میں بڑا پن نظر نہیں آتا، یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحب شخصی تعلقات کو نبھانے کی بے مثال کوشش کرتے تھے، مفتی صاحب مزاح کے طور پر فرماتے تھے کہ دلی والے اب بھی مجھے پردیسی سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ یہ حقیقت ہے کہ وہ دلی والوں کے ساتھ تعلقات نبھانے میں پوری شرافت وسیادت کا ثبوت دیتے تھے۔ مرنے جینے، شادی بیاہ اور سماجی تقریبات میں شرکت کا پورا پورا اہتمام کرتے تھے ملنے جلنے پر ایک ایک گھر والے کو پوچھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی جد وجہد کرتے تھے۔

مفتی صاحب حضرت محدث کشمیری کے لائق ترین تلامذہ میں سے تھے۔ تدریسی دور میں مفتی صاحب کی جو شہرت ہوگی وہ تو ہم سے پہلے کے

دور کی بات ہے لیکن مختلف مسائل پر مفتی صاحب کے تبصرے ہم نے ضرور سنے ہیں، مختصر تقریریں بھی سنی ہیں، مرحوم اپنے رفقاء علمی سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتے تھے۔ البتہ مفتی صاحبؒ کے جو رفقاء علمی اور تعلیمی لائن میں مصروف تھے، ان کو علمی شہرت مفتی صاحبؒ سے ہوئی اور ہونی بھی تھی۔

مفتی صاحبؒ کی تحریر نہایت علمی اور تحقیقی ہوتی تھی اور اگر ندوۃ المصنفین کے ادارہ کی تنظیمی خدمت ان پر حاوی نہ ہوتی تو مرحوم کی علمی اور تحقیقی کتابیں ایک بڑے کامیاب مصنف سے کسی طرح سے کم نہ ہوتیں۔

مرحوم کی کوششوں نے جماعت دیوبند کے علماء پر لگنے والے اس الزام کو دور کر دیا کہ علماء دیوبند اہل قلم نہیں ہیں اور شبلی اسکول ہی قلم وتحریر کا مالک ہے۔

مفتی صاحبؒ نے اتنا بڑا تصنیفی ادارہ بڑے وقار کے ساتھ چلایا اور چندہ مانگنے کی عام بدنامی سے ادارہ کو محفوظ رکھا، مرحوم مالی معاملات میں دیانت اور امانت کی صفات کا بہترین نمونہ تھے۔

مفتی صاحبؒ نے کافی لوگوں کو بنایا اور بڑھایا، ان حضرات میں مفتی صاحبؒ کے خاص شاگرد مولانا قاضی سجاد حسین صاحب ہیں، فارسی کتابوں کی طباعت اور فارسی نصاب کی کتابوں کا احیا مفتی صاحب ہی کے مشورہ اور رہنمائی سے قاضی صاحب کے ذریعہ ہوا اور بڑی مالی کامیابی کے ساتھ ہوا۔ دلی کے مدرسوں میں قاری محمد سلیمان صاحب میوانی کا مدرسہ مفتی صاحبؒ کی سرپرستی سے اس مقام پر پہنچ گیا کہ آج گجرات اور افریقہ

کی بڑی دولت اس مدرسہ پر بارش کی طرح برس رہی ہے اور قاری صاحب میوات کے رئیس اعظم ہیں۔

جمعیۃ علماء کے نوجوان طبقہ سے مفتی صاحب باپ جیسی شفقت و محبت فرماتے تھے، میرا معاملہ عجیب تھا، میں صدارتی اختلاف کے بعد جماعت ہی سے وابستہ رہا، جبکہ دہلی کے علماء میں مفتی ضیاء الحق صاحب حضرت مفتی صاحب کے ساتھ رہے، اس اختلافی دور میں بڑے بڑے تلخ مرحلے آئے مگر مفتی صاحب کی محبت میں کبھی فرق نہیں آیا، جب آمنا سامنا ہوا تو دو چار فقرے کس دیے اور پھر محبت سے حالات پوچھنے لگے کیسے ہو، خیریت ہے؟

مفتی ضیاء الحق صاحب سے مرحوم کا بہت خاص تعلق رہا۔ ضیاء الحق صاحب بہت زود حس اور جذباتی اعتبار سے بڑے کڑوے واقع ہوئے ہیں، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے، ہم جیسے فقیر مزاج ساتھیوں کو ہمیشہ اپنے سے بے حیثیت سمجھا۔ اور میں تو واقعی ان کے مقابلہ میں بے حیثیت انسان تھا اور اب بھی ہوں۔ مگر بعض دوسرے ساتھی ان کی اس انا سے بہت پریشان رہتے تھے، مفتی صاحب ایک طرف ضیاء الحق صاحب کی انا کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور دوسری طرف ہم جیسے فقیر صفت لوگوں کی دل داری کرتے تھے۔ اور یہ بڑا پن مفتی صاحبؒ کی خاص صفت تھی۔

جامعہ رحیمیہ سے مفتی صاحبؒ کا خاص تعلق تھا، علی محمد صاحب شیر میوات کا بہت خیال فرماتے تھے، ضیاء الحق صاحب کے بے تعلق ہونے کے بعد مفتی صاحبؒ کو جامعہ کا بڑا خیال رہا۔